اجماعِ اُمّت

شیخ الحدیث جناب عبد المالک صاحب ۔ منصورہ ۔ لاہور

(۳)

اجماع سکوتی کی صورت یہ ہے کہ اہل حل و عقد (مجتہدین) میں سے کوئی کسی ایک زمانے میں کسی ایک مسئلہ میں ایک حکم کو اختیار کرے اس سے پہلے کہ اس مسئلہ میں مذاہب قائم ہو چکے ہوں۔ اور یہ چیز زمانے کے علماء میں پھیل جائے اور اس میں غور و فکر کی مدت گزر جائے اور کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو تو یہ احناف کے نزدیک قطعی اجماع ہوگا۔ قول (بلانکیر) کی طرح فعل (بلا نکیر) کا بھی یہی حکم ہے۔

اجماع کی پہلی صورت کو عزیمۃ اور اصل اجماع قرار دیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا اجماع ہونا نطق اور صراحت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرے اجماع کو اس ضرورت کی بنا پر اجماع قرار دیا جاتا ہے کہ سکوت کو اتفاق نہ قرار دیا جائے تو لازم آئے گا۔ سکوت عن الحق اور یہ فسق ہے۔ جو عصمت اُمت کے منافی ہے علامہ ابن تیمیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"واما اقوال الصحابة فان انتشرت ولم تنكر في زمانهم فهي حجة عند جماهير العلماء وان تنازعوا رد ما تنازعوا فيه الى الله والرسول ولم يكن قول بعضهم حجة مع مخالفة بعضهم له باتفاق العلماء وان قال بعضهم قولا ولم يقل بعضهم بخلافه ولم ينتشر، فهذا فيه نزاع وجمهور العلماء يحتجون به كابي حنيفة ومالك واحمد في المشهور عنه والشافعي في احد قوليه وفي كتبه الجديدة الاحتجاج بمثل ذالك في غير موضع لكن من الناس من يقول هذا هو القول القديم"۔

(اقوالِ صحابہ پھیل جائیں اور ان کے زمانہ میں ان پر انکار نہ کیا جائے تو یہ علماء کے مختلف طبقوں کے جماہیر کے نزدیک حجت ہیں اور اگر ان میں باہمی اختلاف ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور اگر ایک نے بات کی ہو اور دوسرے نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو درآنحالیکہ وہ قول پھیلا نہ ہو تو اس میں نزاع ہے۔ جمہور علماء اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ جیسے ابوحنیفہ، مالک اور امام احمد (مشہور قول کے مطابق) اور امام شافعیؒ (ایک قول کے مطابق) ان کی جدید کتابوں میں اس طرح کے قول سے متعدد مقامات میں احتجاج کیا گیا ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ان کا قدیم قول ہے)۔

صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

"ویحکی عن الشافعی انہ کان یقول ان ظہر القول من اکثر العلماء والساکتون نفر یسیر یثبت الاجماع" (جلد ۳ ص ۲۲۹)

(امام شافعی سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء سے اتفاق ثابت ہو اور سکوت اختیار کرنے والے تھوڑے سے افراد ہوں تو اس سے اس کا اجماع ہونا ثابت ہو جائے گا)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رحمہ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بھرپور حاصل بحث کرتے ہوئے آخر میں فیصلہ کن بات فرماتے ہیں:

"مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی مسئلے میں نصِ شرع کی کسی تعبیر پر، یا کسی قیاس یا استنباط پر، یا کسی تدبیر و مصلحت پر اب بھی اہلِ حل وعقد کا اجماع یا ان کی اکثریت کا فیصلہ فی الواقع ہو جائے تو وہ حجت ہوگا اور قانون قرار پائے گا۔ اس طرح کا فیصلہ اگر تمام دنیائے اسلام کے اہلِ حل وعقد کریں تو وہ تمام دنیائے اسلام کے لیے قانون ہوگا اور کسی ایک اسلامی مملکت کے اہلِ حل وعقد کریں تو وہ کم از کم اس مملکت کے لیے قانون ہونا چاہیے۔" (اسلامی ریاست پہلا ایڈیشن ص ۲۶۰)

بہرحال کسی مسئلہ کے بارے میں بحث ہو سکتی ہے کہ اس پر اجماع ہے یا نہیں اور اجماع ہے تو وہ کونسا اجماع ہے، اجماع منطوقی یا اجماع سکوتی۔ اور اس مسئلہ کا تعلق ضروریات اور متواترات دین سے ہے یا نظری یا علمی دائرے سے ہے اور اس کے اجماع کے انکار سے تکذیبِ رسول ہوتی

ہے یا نہیں۔ لیکن ثبوتِ اجماع کے بعد وہ حجت ہے۔ پھر جن دلائل اور وجوہ کی بنا پر اجماعِ صحابہؓ حجت بنتا ہے وہی ہر دور کی اُمت کے اجماع کی حجیت کا تقاضا کرتے ہیں اس لیے اس لحاظ سے اجماعِ صحابہ کے ساتھ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے ادوار کا اجماع بھی حجت قرار پاتا ہے۔

علامہ قرطبی امام ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وفیه دلیل علی صحة الاجماع ووجوب الحکم به لانهم اذا کانوا عدولا شهدوا علی الناس۔ کل عصر شهید علی من بعده فقول الصحابة حجة وشاهد علی التابعین وقول التابعین علی من بعدهم واذا جعلت الامة شهداء فقد وجب قبول قولهم ولا معنی لقول من قال ارید به جمیع الامة لانه حینئذ لا یثبت مجمع علیه الی قیام الساعة۔"   (تفسیر قرطبی جلد ۲ ص ۱۵۶)

(اس میں اجماع کی صحت، اس کے مطابق فیصلہ دینے پر دلیل ہے اس لیے کہ جب وہ لوگوں پر عادل اور گواہ ہیں تو ہر دور اپنے بعد والوں کے لیے گواہ ہوگا۔ صحابہ کا قول دلیل اور گواہ ہے تابعین پر اور تابعین کا قول بعد والوں پر۔ اور جب اُمت گواہ ہے تو اس کا قول قبول کرنا واجب ہوگیا۔ جو شخص کہتا ہے کہ اس سے ساری اُمت مراد ہے اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ ایسی صورت میں قیامِ قیامت تک کوئی بھی مسئلہ مجمع علیہ نہیں بن سکے گا۔)   (ایضاً تفسیر مظہری، تفسیر آیت وکذٰلک جعلنٰکم امة وسطاً)

علامہ ابن عابدین شامی مختلف قسم کے اجماعوں پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ومثله فی نور العین عن شرح العمدة اطلق بعضهم ان منکر الاجماع یکفر والحق ان المسائل الاجماعیة تارةً یصحبها التواتر عن صاحب الشرع کوجوب الخمس وقد لا یصحبها فالاول یکفر جاحده لمخالفته التواتر لا لمخالفة الاجماع ثم نقل فی نور العین عن رسالة الفاضل الشهیر حسام جلبی من عظماء السلطان السلیم بن بایزید خان ما نصه واذا لم تکن الآیة او الخبر المتواتر قطعی الدلالة او لم یکن

الخبر متواتراً او كان قطعياً لكن فيه شبهة او لم يكن الاجماع اجماع الجميع او كان ولم يكن اجماع جميع الصحابة او كان اجماع جميع الصحابة ولم يكن قطعياً بان لم يثبت بطريق التواتر او كان قطعياً لكن كان اجماعاً سكوتياً ففي كل من هذه الصور لا يكون الجحود كفراً۔ (باب المرتد ج۴ ص۲۲۳)

(شرح عمدہ سے نور العین میں اسی طرح لکھا ہے کہ بعض نے مطلقاً اجماع کے منکر کو کافر قرار دیا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ اجماعی مسائل کے ساتھ کبھی تواتر ہوتا ہے جیسے پانچ ارکان اور کبھی نہیں ہوتا۔ پہلی قسم کا منکر کافر ہے تواتر کے انکار کی وجہ سے نہ کہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے۔ اس کے بعد فاضل حلبی کے رسالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب آیت اور خبر متواتر قطعی الدلالۃ نہ ہو یا خبر متواتر ہی نہ ہو یا قطعی ہو، لیکن اس میں شبہ ہو یا اجماع تمام کا اجماع نہ ہو یا تمام کا اجماع ہو لیکن تمام صحابہ کا اجماع نہ ہو یا تمام صحابہ کا اجماع ہو لیکن قطعی نہ ہو کہ بطریق تواتر ثابت نہ ہو یا قطعی ہو لیکن اجماع سکوتی ہو تو ان ساری صورتوں میں انکار کفر نہ ہوگا۔)

اجماع کے مسئلہ کی تہ تک پہنچنے اور اس کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کے لیے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق سارے لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ بعض مصنّفین کے کلام کے اصل مقصد کو نہ سمجھنے کی بنا پر کچھ لوگ اس کو سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں اور اس انداز سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں گویا کہ اجماع کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ کچھ اس قسم کا تاثر امام شافعی اور امام احمد کے متعلق دیا جاتا ہے حالانکہ ابن تیمیہ تو اس بات کی تصریح کر چکے ہیں کہ "اہل سنّت والجماعت" کا فِرَق ضالہ سے امتیاز ہی سنّت اور اجماع کو تسلیم کرنے کی بنا پر ہے۔

اس مسئلہ میں غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ دورِ اختلاف میں ہر فرقے نے اپنے مسائل پر اجماع کا دعویٰ شروع کر دیا۔ اور ایسے لوگوں نے بھی اس کا سہارا لینا شروع کر دیا جنھیں اسلاف کے واقعات، حالات اور اقوال پر نظر نہیں تھی ان لوگوں کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام احمد نے یہ کہہ دیا کہ "اس طرح کے مدعیانِ اجماع کذاب ہیں" نہ یہ کہ مطلقاً دعویٰ اجماع کو انھوں نے غلط کہا ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

دوسری چیز اس نکتہ کو ذہن نشین کرنا ہے کہ فقہائے اسلام اور مجتہدین نے ہمیشہ اپنی علمی آراء پر کسی دباؤ کو قبول نہیں کیا۔ نہ ہی انہوں نے اس سلسلہ میں دلائل سے قطع نظر کسی اور رشتے کا لحاظ کرتے ہوئے کسی سے اتفاق یا اختلاف کیا ہے۔ اس طرح ان کا اتفاق و اختلاف خالص للہیت کے ساتھ ہوا اور ہم تک پہنچ گیا۔ اب تک جو اجماعی مسائل ہم تک پہنچے ہیں وہ ہر طرح کی مصنوعیت، مداخلت اور نفسانیت سے پاک ہیں۔ ان پر اجماع منعقد کرنے کے لیے کسی نے کسی پر دباؤ نہیں ڈالا۔ کوئی اجتماع منعقد نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ ان پر خالصتاً اپنی علمی رائے دی ہے۔ اور ایسا ہی شریعت میں مطلوب بھی ہے۔ مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف لوگ اس طرح کی صورتِ حال کو نقص قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ کسی حکومت کو اس بات سے دلچسپی نہ تھی کہ دنیا بھر کے مجتہدین کو ایک جگہ جمع کرکے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رائے لیتی اس لیے مسائل پر اجماع کا سلسلہ نہ کا رہا۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کن مسائل پر اجماع ہے اور کن پر نہیں۔ اس سلسلہ میں اصل صورت حال ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اس کی روشنی میں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسی کسی مصنوعیت کے نہ ہوتے ہوئے آزادانہ طور پر جو اجماع ہوا ہوگا وہ اپنے اندر کس قدر وزن رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اس حد تک اس بات کو درست قرار دیا جا سکتا ہے کہ چونکہ خلافتِ راشدہ کے بعد جماعتی نظام درہم برہم ہو گیا تھا، اس لیے اب بلا تحقیق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں مسئلہ میں اجماع ہے۔ جبکہ خلافتِ راشدہ کے بارے میں آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں مسائل پر اجماع ہے — اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مصنف لکھتے ہیں "چونکہ یہ اتفاق رائے کسی مجلسِ شوریٰ یا اجماع علماء میں نہیں ہوتا بلکہ غیر شعوری طور پر از خود ظہور میں آتا ہے اس لیے کسی مسئلہ میں اس کے وجود کا علم گذشتہ حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے ہی ہو سکتا ہے۔" (لفظ اجماع ص ۱۰۰۹)

تیسری چیز یہ ہے کہ اس وقت ہمارے سامنے ہماری علمی تاریخ کا پورا سرمایہ موجود ہے۔ کسی بھی ملک اور کسی بھی علاقے کے کسی مجتہد یا غیر مجتہد نے کسی مسئلہ کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ محفوظ ہے حتیٰ کہ ہمارے علماء نے اپنے مخالف فرقوں اور ان کے ایسے علماء جن کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی ان کے اقوال و آراء کو بھی اپنی کتابوں میں بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ اہل سنت والجماعت سے آپ کو شیعہ کی جملہ اقسام اور خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کے عقائد و نظریات

سے لے کر فقہی آراء تک ملتی ہیں۔ آج کے اس دور میں جب کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتا یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے جو ہمارے اسلاف نے انجام دیا ہے اس کی روشنی آج ہم آسانی سے مجمع علیہ مسائل کی ایک طویل فہرست تیار کر سکتے ہیں جو کئی مجلدات پر مشتمل ہو۔

آپ کو اُمت کے مختلف فرقوں میں وسیع تر اختلافات کے باوجود جو مشترک چیزیں ملتی ہیں، ان کی بنیاد اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ قدر مشترک مجمع علیہ ہے۔ آپ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر بھی اجماعی مسائل کی ایک فہرست تیار کر سکتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اب اس دور میں اجماع کیسے منعقد ہوگا اور اس کی کیا صورت ہوگی تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اس دور میں اوّلاً تو یہ ہونا چاہیے کہ پہلے سے مجمع علیہ مسائل کو سامنے لایا جائے۔ مثلاً ختم نبوت کا مسئلہ پہلے سے مجمع علیہ چلا آرہا ہے اس لیے اس پر کسی اسمبلی سے قرارداد پاس ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو رہا ہے بلکہ یہ معنی رکھتا ہے کہ پہلے سے مجمع علیہ مسئلہ پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔

دوسرے مرحلے پر یہ کام ہوگا کہ نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں دنیا بھر کے ماہرینِ شریعت اسی طرح سے آزادانہ اور علمی رائے دیں جس طرح اسلاف دیتے آئے ہیں۔ کسی ایک مُلک کے ماہرینِ شریعت کی قرارداد سے مسئلہ مطلقاً اجماعی نہیں بنے گا۔ اور پھر آج کل اسمبلیاں تو اس سلسلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اس لیے کہ ان کے ممبران "اہلِ اجماع" نہیں ہیں۔ (اہل اجماع یا اہل حل وعقد علماء اور فقہاء ہیں)۔

اس کی بجائے رابطہ عالم اسلامی جیسے آزاد علمی ادارے اس سلسلہ میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔